باب۔۱۸

ترجمہ
فص یونسیّہ
حکمت نفسیہ

واضح ہو کہ انسانی خلقت و نشأت کو پورے اجزاے ظاہری و باطنی کے ساتھ دیکھو۔ وہ اجزا کیا ہیں۔۔۔؟ روح، نفس (اور) جسم ہیں۔ تو معلوم ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے۔ اور وہ مظہر تام (یا مکمل نمونہ) ہے اسم جامع، اللہ کا۔ فانّ اللّٰہ خلق آدم علیٰ صورتہ، (یعنی) اللہ نے آدم کو اپنی صورت {طبیعت (اور) اپنی حالت} پر پیدا کیا ہے (صحیح مسلم، مسند احمد، صحیح البخاری)۔ اس تصویر قدرت کو کوئی پھاڑ نہیں سکتا۔ اس مرکب کے اجزا کی تحلیل نہیں کر سکتا۔ انسان کو قتل نہیں کر سکتا، مار ڈال نہیں سکتا، مگر اس کا خالق۔ یا تو خود، یا اس کے امر سے۔ جیسے قصاص میں یا جہاد میں (ہوتا ہے)۔۔۔ جو شخص بغیر امر خالق کے روح و بدن کو جدا کر دے، قتل نفس کر دے، وہ اپنے نفس پر ظلم کرتا ہے۔ وہ حدود اللہ سے تجاوز کرتا ہے۔ وہ خانۂ خدا کو خراب کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ جس کے آباد کرنے کا حکم خدا دیتا ہے اسے ویران کرتا ہے۔

واضح ہو کہ شفقتہ عباد اللہ (یعنی اللہ کے بندوں پر رحم) افضل ہے غیرت فی اللہ (یعنی اللہ کی توقیر) سے۔ کفار کو مسلمان بنالینا بہتر ہے ان کے قتل سے۔ ایک مشہور قصہ ہے کہ داؤد علیہ السلام نے بیت المقدس کی عمارت بنانی چاہی۔ جب اس کی تعمیر سے فارغ ہوتے وہ عمارت گر جاتی۔ داؤدؑ نے اس کی شکایت اللہ تعالیٰ سے کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر وحی اتاری کہ میرے گھر کی تعمیر وہ ہاتھ نہیں کر سکتے جو خونِ انسانی میں رنگے گئے ہوں۔ داؤد علیہ السلام نے عرض کیا، (کیا) یہ سب تیری راہ میں نہ تھا۔؟ فرمایا، کیوں نہیں لیکن کیا وہ میرے بندے نہ تھے۔؟ داؤدؑ نے عرض کیا، " بیت المقدس کی تعمیر اس کے ہاتھ سے کرو اجو میری اولاد سے ہو"۔ وحی ہوئی کہ تمھارا بیٹا سلیمان اس کو بنائے گا۔ اس قصے سے مقصد یہ ہے کہ خلقت و نشأت انسانی کی رعایت جس قدر ہو سکے بہتر ہے۔ عمارتِ بدنِ انسانی کو قائم رکھنا اس کے ہدم اور گرانے سے اولیٰ ہے۔

دیکھو! دشمنانِ دین کے متعلق بھی اللہ تعالیٰ نے کیا کیا رعایتیں کی ہیں۔ ان سے جزیہ لے کر چھوڑ دینے کا حکم ہے۔ ان پر رحم اور ان کی بقا کے لیے صلح جائز رکھی گئی۔ (وہ) فرماتا ہے، وَإِن جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّـهِ، (یعنی) اگر وہ صلح کی طرف مائل ہو جائیں تو تم بھی صلح کی طرف جھک جاؤ، اور اپنے کاموں کو خدا پر چھوڑ دو، (الانفال:۶۱)۔ اس پر اعتماد کرو۔ توکل کرو۔

دیکھو! جس شخص پر قصاص واجب بھی ہو جائے تو ولیِ دَم اور وارثِ مقتول کو اختیار دیا گیا ہے کہ فدیہ لے لے یا عفو (یعنی معاف) کر دے۔ وارثِ مقتول نہ مانے تو بے شک قاتل، قابل قتل ہو گا۔

دیکھو! اولیاے دَم اور وارثانِ مقتول بہت سے ہوں اور ان میں سے ایک دیت (یعنی معاوضے کی رقم) پر راضی ہو جائے یا معاف کر دے اور باقی کا ارادہ قتل ہی ہو تو اللہ تعالیٰ عفو کرنے والے کی کیسی رعایت کرتا ہے۔ اور عفو نہ کرنے والوں پر اس کو ترجیح دیتا ہے۔ لہٰذا وہ قصاصاً قتل نہ کیا جائے گا۔

دیکھو! ایک شخص {بہ زمانۂ حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم} مارا گیا۔ قاتل کا پتا نہ ملا۔ وارثِ مقتول کی نظر میں ایک شخص کے پاس وہ تسمہ (چمڑے کا لمبا ٹکڑا) ملا جو مقتول کے پاس ہمیشہ رہتا تھا۔ وارثِ مقتول نے اس شخص پر دعویٰ قتل کیا جس کے پاس سے تسمہ ملا۔ حضورؐ نے فرمایا، بلا ثبوتِ شرعی اگر تُو اس کو قتل کر دے صرف اس گمان پر کہ مقتول کا تسمہ اس کے پاس سے نکلا ہے، تو تُو بھی قاتل ہے۔ تُو بھی اسی طرح ظالم ہو گا جیسے خود قاتل ہے۔

دیکھو! اللہ تعالیٰ (سورۃ الشوریٰ کی آیت ۴۰ میں) فرماتا ہے، وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا، (یعنی) برائی کا بدلہ اتنی ہی برائی ہے۔۔۔ قصاص کے بدلے کو برائی فرمایا، گو مشاکلے کے طور پر سہی، مگر سَيِّئَةٌ تو ضرور فرمایا۔ حالاں کہ وہ امر مشروع اور جائز حق ہے، مگر ہے ناگوارِ طبیعت۔ (پھر اسی آیت میں آگے فرماتا ہے) فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّـهِ، (یعنی) پھر جو معاف کر دے اور صلح کرے تو اس کا اجر اللہ پر ہے۔ کیوں کہ یہ قاتل بھی تصویرِ حق (تعالیٰ) ہے۔ پس جو وارثِ مقتول، قاتل کو معاف کرے اور قتل نہ کرے تو اس کا اجر اللہ پر ہے، جس کی صورت پر یہ قاتل ہے۔ جب بندہ عفو کرتا ہے تو حق تعالیٰ زیادہ مستحق ہے کہ اسے عفو قصور کرے، اس لیے کہ اسی نے اپنے لیے پیدا کیا تھا۔ اللہ کے اسم ظاہر کی تجلی بندے کے وجود سے ظہور پذیر ہوتی ہے جس نے انسان کی رعایت کی۔ اس نے حقیقت میں حق تعالیٰ کی رعایت کی اور اس کا پاسِ خاطر کیا۔ انسان اپنی ذات کے لحاظ سے قابلِ مذمت نہیں بلکہ وہ اپنے افعالِ بد کی وجہ (سے) لائقِ مذمت ہوتا ہے۔ انسان کا فعل اور اس کی ذات ایک نہیں ہیں۔ ہم جو کلام کر رہے ہیں وہ ذات انسان میں ہے۔

کوئی فعل ایسا نہیں جس کا بالآخر انجام خداے تعالیٰ پر نہ ہو۔ کیوں کہ بندے کے افعال کا مرجع صفات (ہے)، صفات کا مرجع، ذوات (ہے)، اور ذوات عین، وجودِ متعین ہیں۔ وجودِ متعین کا وجودِ مطلق (اور) وجودِ مطلق، عینِ ذاتِ حق ہے۔ بہر حال ماسواء اللہ، اللہ تعالیٰ میں مستہلک ہیں، فنا ہیں۔ اس کے باوجود بعض افعال، محمود (یعنی تعریف کے لائق) ہیں اور بعض مذموم (یا قابل مذمت)۔ ہر شخص اپنی غرض

کے موافق نہ ہونے سے مذمت کرتا ہے مگر مبنی بر غرضِ مذمت اللہ تعالیٰ کے پاس مذموم ہے۔ نفس الامر میں وہی فعل مذموم ہے جس کو شر کثیر کے لحاظ سے شرع نے مذموم ٹھیرایا ہو۔ شرع کی مذمت کرنا مبنی بر حکمت ہے، جس کو اللہ جانتا ہے، یا جس کو اللہ نے اس کا علم دیا ہو۔

جیسے شریعت نے قصاص کو جاری کیا کہ اس میں نوع انسانی کی بقا ہے اور قاتل و ظالم کو ظلم و تعدّی سے روکنا ہے کہ کہیں حدود اللہ سے تجاوز نہ کرے۔ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ، (یعنی) قصاص میں تمھارے لیے حیات ہے، اے خالص عقل رکھنے والو! (البقرۃ:۱۷۹)۔ اولی الاباب وہ لوگ ہیں جو اصل و حقیقت سے واقف ہیں۔ اہل دانش و بینش ہیں۔ نوامیس الٰہیہ (یعنی فطرت خداوندی) (اور) حقائق حکمیہ (یا اس کی حکمت) کے اسرار و دقائق کے عارف ہیں۔

جب تم کو معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ اس نشأۃ انسانی اور اس کی بقا کے لیے اتنی رعایت فرماتا ہے تو تم خود اپنی مراعات کے زیادہ مستحق ہو۔ تمھاری سعادت اسی جسم سے ہے۔ جب تک انسان زندہ رہتا ہے جس کمال کی تحصیل کے لیے وہ پیدا ہوا ہے اس کے حصول کی امید ہے۔ جس نے اس کو برباد کرنے میں کوشش کی اس نے کمالِ مطلوب کے وصول میں رکاوٹ پیدا کر دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا خوب فرمایا ہے، "کیا تم کو خبر نہ دوں اس چیز کی جو تمھارے لیے بہتر ہے اور افضل ہے، اس سے کہ تم تمھارے دشمنوں سے ملو پھر وہ تمھاری گردنیں اڑائیں اور تم ان کی گردنیں اڑاؤ"۔ صحابہؓ نے عرض کیا، "جی ہاں"۔ آپؐ نے فرمایا، "وہ ذکر اللہ ہے، یادِ خدا ہے"۔۔۔ ذکر کی فضیلت اس لیے ہے کہ اس نشأۃ انسانی کی صرف وہی قدر جانتا ہے جو {اس سے جو ذکر مطلوب ہے} اس کو کرتا ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ذاکر کا ہمنشین رہتا ہے۔ اور ہمنشینِ ذاکر کو مشہود ہوتا ہے۔ وہ ذاکر جو حق تعالیٰ کا مشاہدہ نہیں کرتا، حالاں کہ حق تعالیٰ اس کا جلیس ہے، ہمنشین ہے، تو وہ حقیقی ذاکر ہے ہی نہیں۔ کیوں کہ ذکر اللہ تمام اجزاے عبد میں ساری و جاری رہتا ہے۔ وہ تخلیقِ انسانی کو کیا جانے گا جو صرف زبان سے خدا کا ذکر کرتا ہے۔ اس وقت تو حق تعالیٰ صرف جلیسِ لسان ہو گا تو زبان اس کو دیکھے گی جس کو انسان اس آنکھ سے نہ دیکھے گا جس سے سب کو دیکھتا ہے۔ ذرا سوچو۔۔! سمجھو اس راز کو۔ غافلوں کے ذکر میں غافل کا وہ عضو جو ذکر کرتا ہے وہ حاضر عند الحق ہے اور مذکور یعنی حق اس کا جلیس ہے۔ پس وہ عضو حق کا مشاہد ہے۔ اور غافل اپنی غفلت کے لحاظ سے نہ ذاکرِ حق ہے، نہ حق جلیس، غافل۔

انسان نفس الامر میں کثیر اجزا سے مرکب ہے۔ اس میں مختلف حقائق ہیں۔ روحانیت بھی ہے، جسمانیت بھی ہے۔ اس کی ذات، بسیط اور احدی العین نہیں۔ حق تعالیٰ کی ذات بسیط ہے۔ ترکیب (یعنی کسی بھی آمیزش) کو ذاتِ حق میں گنجائش نہیں۔ حق تعالیٰ احدی العین (یعنی ذاتِ واحد) ہے۔ اسماے الٰہیہ کے لحاظ سے کثیر ہے جیسے کہ انسان کثیر الاجزا ہے۔ ایک جزو کے ذاکر ہونے سے دوسرے اجزا کا ذاکر ہونا کوئی

لازمی بات نہیں۔ لہٰذا حق جل مجدہٗ جزو ذاکر کا جلیس ہے اور دوسرا جزو ذکر سے غافل ہے۔ ہر انسان میں کوئی نہ کوئی جزو ذاکر رہتا ہے۔ اور حق اس جزو کا جلیس رہتا ہے اور باقی اجزا کی اس کے طفیل میں حفاظت کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اس خلقتِ انسانی کو موت سے بھی فنا نہیں فرماتا۔ موت، اعدام اور نیست کرنا نہیں ہے بلکہ تفریق اجزا ہے۔ (وہ) تنِ خاکی سے جدا کر کے اپنی طرف کر لیتا ہے۔ پس موت کیا ہے۔۔؟ روح کو خدا کا لینا ہے۔ وَاِلَیْہِ یُرْجَعُ الْاَمْرُ کُلُّہٗ، (یعنی) اور عالم کا کاروبار سب اس کی طرف رجوع کرتا ہے، (ھود:۱۲۳)۔ جب حق تعالیٰ بندے کو لے لیتا ہے تو اس کے گھوڑے یعنی جسد کے عوض دوسرا گھوڑا تیار کرتا ہے، مگر اُسی عالم کے مناسب جس میں وہ منتقل ہوا ہے۔ چوں کہ اُس عالم میں اعتدال ہے اس لیے وہ دار لبقا ہے۔ انسان اس میں کبھی نہیں مرے گا، نہ اس کے اجزا کی تفریق ہوتی ہے۔ دوزخ والوں کا انجام بھی نعمت و راحت ہے مگر دوزخ ہی میں۔ یہ آتشیں صورت زمانۂ دراز گزرنے کے بعد ضرور ہے کہ دوزخی پر بَرْدًا وَسَلَامًا [(یعنی) ٹھنڈی اور باعثِ آرام (الانبیا:۶۹)] ہو جائے اور یہ دوزخ ہی ان کے حق میں جنت ہے۔ بہشت، اہل دوزخ بعد ادائے حقوق کے بہشتِ خلیل اللہ ہو جائے گی۔ جب (ابراہیم) خلیلؑ آگ میں ڈالے گئے تھے (تو) خلیلؑ اللہ نے آتشِ افروختہ کو دیکھ کر تکلیف اٹھائی۔ یہ عذابِ نظر ہے، عادتِ علم و خیال ہے۔ صورتِ آتش کچھ اس طرح واقع ہوئی ہے (کہ) قریب کے حیوان کو، زندہ کو، رنج و الم پہنچاتی ہے۔ اس آتش سے حق تعالیٰ کی مراد ابراہیم خلیلؑ کے متعلق کیا تھی، ناواقف تھے۔ اتنے غم والم اٹھانے کے بعد بَرْدًا وَسَلَامًا پایا۔ خلیل کے حق میں بھی وہ صورت تو صورتِ ناری تھی اور وہ آتش ہی تھی، نار ہی تھی لوگوں کی آنکھوں میں۔

ایک ہی شئے مختلف نظروں میں مختلف طور سے نظر آتی ہے۔ یہی حال تجلّیِ الٰہی کا بھی ہے۔ چاہو تو یہ کہو کہ اللہ تعالیٰ اس صورت میں نظر آتا ہے۔ چاہو تو یہ کہو کہ عالم ناظر کی نظر میں اور عالم میں ایسا نظر آتا ہے جیسے تجلّیِ حق ہوتی ہے۔ پس عالم ناظر کی نظر میں اس کے مزاج کے مطابق نظر آتا ہے، اور مختلف صورتوں میں نظر آتا ہے۔ علم حقائق میں یہ سب درست ہے، گوارا ہے۔۔۔ اگر ایک میت جو ہو، جب مر جائے یا مقتول، خواہ کوئی ہو جب قتل کیا جائے، اگر اللہ کی طرف رجوع نہ کرتا، اس کی خدمت میں نہ پہنچتا، تو اللہ تعالیٰ کسی کے مرنے کا حکم ہی نہ دیتا اور نہ اس کے قتل کرنے کو مشروع (یعنی شرع اور قانون کے مطابق) کرتا۔ سب اس کے قبضے میں ہیں۔ اللہ کے لحاظ سے کوئی مفقود (یا معدوم) نہیں ہوتا۔ لہٰذا قتل کو مشروع بھی کیا کرتا ہے اور موت کا حکم بھی دیتا ہے۔ کیوں کہ وہ جانتا ہے کہ بندہ اس کے دستِ قدرت سے نہیں نکل سکتا، نہ فوت ہوتا ہے۔ پس اللہ ہی کی طرف وہ رجوع کرتا ہے۔ باوجود یہ کہ وَاِلَیْہِ یُرْجَعُ الْاَمْرُ کُلُّہٗ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حق (تعالیٰ) خود اپنے آپ میں تصرف کرتا ہے۔ وہی متصرف ہے، وہی متصرف فیہ۔ پھر کونسی شئے اس سے باہر نکلی۔! اور اس کی عین نہیں ہے۔! ہویتِ حق و ذاتِ مطلق عین ذات مقید ہے۔ وَاِلَیْہِ یُرْجَعُ الْاَمْرُ کُلُّہٗ کے معنیٰ کشف و تحقیق سے بھی ثابت ہوتے ہیں۔